

وہ خطہ، جہاں اُسترے بنتے ہیں!

کھڑک سنگھ، پیالہ کے مہاراجہ کے ماموں اور ایک لمبی چوڑی جا گیر کے مالک تھے۔ جا گیر داری کی یکسانیت سے ایک دن اُتنا کے بھانجے سے کہا، تیرے شہر میں سیشن نج کی کرسی خالی ہے۔ اس دور میں سیشن نج کی کرسی کا آرڈرو ائسرائے جاری کرتے تھے۔ تو لٹ صاحب کے نام چٹھی لکھ دے اور میں سیشن نج کا پروانہ لے آتا ہوں۔ مہاراجہ سے چٹھی لکھوا کے مہر لگو اکرم ماموں لاث صاحب کے سامنے حاضر ہو گئے۔ وائسرائے نے پوچھا، نام؟ بولے، کھڑک سنگھ۔ تعلیم؟ بولے کیوں سرکار؟ میں کوئی اسکول میں بچ پڑھانے کا آرڈر لینے آیا ہوں۔ وائسرائے ہنسے، بولے سردار جی، قانون کی تعلیم کا پوچھا ہے۔ آخر آپ نے اچھے بروں کے درمیان تمیز کرنی ہے، اچھوں کو چھوڑنا ہے، بُروں کو سزدہ نی ہے۔ کھڑک سنگھ موچھوں کو تاؤ دیکر بولے، سرکار اتنی سی بات کیلئے گدھا بھروسن کی کتابوں کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کام میں برسوں سے پنچائیت میں کرتا آیا ہوں اور ایک نظر میں اچھے بُرے کی تمیز کر لیتا ہوں۔ وائسرائے نے یہ سوچ کر کہ اب کون مہاراجہ اور مہاراجہ کے ماموں سے انجھے، جس نے سفارش کی ہے وہی اسے بھکتے۔ درخواست لی اور حکم نامہ جاری کر دیا۔ اب کھڑک سنگھ جسٹس کھڑک سنگھ بنکر پیالہ تشریف لے آئے۔

خدا کی قدرت پہلا مقدمہ ہی جسٹس کھڑک سنگھ کی عدالت میں قتل کا آگیا۔ ایک طرف چار قاتل کھڑے میں کھڑے تھے، دوسرا طرف ایک روتی ہوئی عورت سرکادو پڑے گلے میں لٹکائے کھڑی آنسو پوچھ رہی تھی۔ جسٹس کھڑک سنگھ نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے دونوں طرف کھڑے لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ اتنے میں پولیس آفیسر آگے بڑھا اور جسٹس کھڑک سنگھ کے سامنے کچھ کاغذات رکھے اور کہنے لگا، مائی لارڈ یہ عورت کرانٹی کو رہے اور اسکا کہنا ہے کہ ان چاروں نے ملکر اسکی آنکھوں کے سامنے اسکے خاوند کا خون کیا ہے۔ کیوں مائی؟ جسٹس کھڑک سنگھ نے پولیس افسر کی بات بھی پوری نہیں سنی اور عورت سے پوچھنے لگے کیسے مارا تھا؟ عورت بولی، سرکار جو داہیں طرف کھڑا ہے اسکے ہاتھ میں برچھا تھا، درمیان والا کسی لیکر آیا تھا اور باقی دونوں کے ہاتھ میں لاٹھیاں تھیں۔ یہ چاروں کماد کے اوپر سے اچانک نکلے اور مارا ماری شروع کر دی۔ طالبوں نے میرے سر کے تاج کو جان سے مار دیا۔ جسٹس کھڑک سنگھ نے موچھوں کو تاؤ دیکر غصے سے چاروں ملزموں کو دیکھا اور کہا کیوں بھی، تم نے بندہ مار دیا؟ نہ جی نہ میرے ہاتھ میں تو بیچھے تھا کسی نہیں، ایک ملزم بولا۔ دوسرا ملزم بولا جناب میرے پاس برچھا نہیں تھا ایک سوٹی کے آگے درانتی بندھی تھی پتے جھاڑنے والی۔ جسٹس کھڑک سنگھ بولے چلو، جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں تھا وہ تو مر گیا۔ جناب ہمارا مقصد تو نہ اسے مارنا تھا، نہ زخمی کرنا تھا، تیسرا ملزم بولا۔ تمہاری ایسی کی تیسی، مقصد بھی تھا کوئی تمہارا؟ کرتا ہوں تم سب کا بندوبست، جسٹس کھڑک سنگھ بولے۔ کاغذوں کے پنڈے کو پکڑ کر اپنے آگے کیا اور فیصلہ لکھنے ہی لگے تھے کہ ایک دم سے عدالت کی ایک کرسی سے کالے کوٹ والا آدمی اٹھ کر تیزی سے سامنے آیا، اور بولا، مائی لارڈ آپ پوری تفصیل تو سنیں۔ میرے یہ موقل تو صرف سمجھانے کیلئے اسکی زمین پر گئے تھے۔ انکے ہاتھ میں تو صرف ڈنڈے تھے، ڈنڈے بھی کہاں وہ تو کماد سے توڑے ہوئے گئے تھے۔ پھر ایک منٹ جسٹس کھڑک سنگھ نے کالے کوٹ والے کو روکا اور پولیس افسر کو بلما کر پوچھا یہ کالے کوٹ والا کون ہے؟ سرکار یہ

وکیل ہے، ملزم ان کا وکیل صفائی، پولیس افسر نے بتایا۔ یعنی یہ بھی انہی کا بندہ ہوا ناجوانکی طرف سے بات کرتا ہے، جسٹس کھڑک سنگھ نے وکیل سے کہا۔ ادھر کھڑے ہو جاؤ قاتلوں کے ساتھ۔ اتنی بات کی اور کاغذوں کے پندرے پر ایک سطحی فیصلہ لکھ کر دستخط کر دیے۔ جسٹس کھڑک سنگھ نے فیصلہ لکھا تھا کہ چار قاتل اور پانچوں انکا وکیل، پانچوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ پیالے میں تھر تھلی مچ گئی، اورے بچو، کھڑک سنگھ آگیا ہے جو قاتل کے ساتھ وکیل کو بھی پھانسی دیتا ہے۔ کہتے ہیں جب تک جسٹس کھڑک سنگھ سیشن نجح رہے، پیالہ ریاست میں قتل نہیں ہوا۔

یہ قصہ پنجند کام پر موجود ہے۔ فرضی کہانی ہے، قصیدہ ہے، افسانہ ہے یا حقیقت۔ اس سے کسی قسم کی کوئی لمحپی نہیں۔ صرف اسکے مقصد پر نظر ہے۔ اسے پڑھ کر سوچ رہا ہوں کہ کیا جس خطے میں رہ رہا ہوں، وہاں کسی قسم کے انصاف کا کوئی شانہ تک موجود نہیں ہے۔ انصاف، دراصل ریاست کی بے پناہ قوت کے سہارے کھڑا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے ناقص ترین نظام میں یہ توازن بھی موجود نہیں ہے۔ سینکڑوں بار لکھ چکا ہوں کہ ہمیں ”رول آف لاء“ نہیں چاہیے۔ بلکہ ”رول آف جسٹس یا انصاف“ چاہیے۔ ازحد ترین نازک نکتہ ہے۔ رول آف لاء مکمل طور پر بے معنی ہے۔ کم از کم ہمارے ملک میں تو اسکی وقعت صرف اور صرف کاغذ کے ایک پرت سے زیادہ نہیں۔ مگر انصاف یہاں دیکھنے کو کیا، محسوس کرنے کو بھی نہیں ملتا اور معدالت کے ساتھ جس معاشرہ میں انصاف ختم ہو جاتا ہے یا صرف اور صرف طاقتور کیلئے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہتا ہے۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی بکھر جاتے ہیں۔

یہی سب کچھ، سعادت حسن منشو نے بیان کیا ہے۔ بر صغیر کے ان ذہین ترین لوگوں میں سے تھا، جو سماجی مشکلات اور اندوہ کو انہائی باریکی سے محسوس کر سکتے تھے۔ اسکے بعد اپنے قلم سے اسے لفظوں کا شہکار بناؤ لئے تھے۔ منٹو کے پائے کا کوئی اُردو لکھاری کم از کم ابھی تک سامنے نہیں آپایا۔ بمبئی سے پاکستان آ کر اس نے جو کچھ یہاں آ کر محسوس کیا، کمال لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اتنی بہادری سے، جو آج کے معاشرے میں سوچی بھی نہیں جاسکتی۔ منٹوبذات خود، ہمارے ملک میں نا انصافی اور ظلم کا شکار رہا ہے۔ ہر عام آدمی کی طرح اس نے اس چھوٹے معاشرے کے ہاتھوں ہر تکلیف اٹھائی ہے۔ افسانے ”ٹوبہ ٹیک سنگھ“ میں لکھتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں استرے بنتے ہیں۔ آج سے تمیں سال پہلے جب پہلی بار اس افسانے کو پڑھا، تو کچھ بھی سمجھ نہیں آیا۔ ویسے اکثر چیزیں تواب بھی پلے نہیں پڑتیں۔ مگر اب زندگی کا سورج غروب ہونے کو ہے۔ تو ادارک معمولی سا بچتہ ہو گیا ہے۔ جب اسی افسانے کو تین سال پہلے دوبارہ پڑھا تو تھوڑا اس سمجھ میں آیا۔ مگر مکمل نہیں۔ چند ہفتے اسی افسانے کو تقریباً دو گھنٹے مسلسل پڑھتا رہا، تو یہ جملہ کافی حد تک سمجھ میں آیا، کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں استرے بنتے ہیں۔ منشا تنا جہاں دیدہ انسان تھا اور معاشرہ پر اسکی نظر اتنی گہری تھی کہ یہ الفاظ ساٹھ برس پہلے کے ملک کے متعلق لکھ رہا تھا۔ پر صاحبان! عام آدمی کیلئے انصاف نہ اس وقت تھا اور نہ ہی آج ہے۔ جتنی بے انصافی اس وقت تھی۔ شام کہ آج اس سے کئی ہزار گناہ بڑھ چکی ہے۔ اب تو یہاں ہر ادارہ، اور شہری ایک دوسرے کیلئے واقعی اسٹرائب چکا ہے۔ ہر وقت دوسرے کی جیب کاٹنے کی فکر۔ ہر لمحہ دوسرے کی دولت پر نظر، ہر وقت دوسرے کو عزت و تکریم سے محروم کرنے کی منصوبہ بندی۔ بنیادی طور پر ہم میں سے اکثریت ”بُنُوں“ پر مشتمل ہے۔ جو تھوڑے سے قد آور لوگوں کی ٹانگیں کاٹ کر انہیں بھی بونا بنا دیتے ہیں۔ ہاں ہمارا معاشرہ، ہمارا سماجی

نظام اور ہمارے عدل کا پیچیدہ ترین نظام، ٹانگیں کا ٹنے کے عمل میں بھرپور معاونت کرتا ہے۔

طالب علم کے طور پر عرض کرتا چلوں۔ ہمارے آن گنت مسائل میں سے سب سے بڑا مسئلہ موجودہ نظامِ عدل ہے۔ یہ ایک ادنیٰ پولیس فورس، ناقص ترین تفتیش، جانوروں کے باڑے سے بھی گھٹیا جیل اور ایک محیر العقول حد تک بے تدبیر عدل پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں اتنے زیادہ طاقتور فریق ہیں۔ جنکی روزی روٹی، اللے تلے، صرف اس نکلتے پر قائم ہیں کہ کہیں اس معاشرے میں خداخواستہ کسی کو انصاف نہ مل جائے۔ ہر گز نہیں کہہ رہا کہ عدل کے نظام کے علاوہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ گراوٹ اور بدبو ہر جگہ پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ مجھے واقعی علم ہی نہیں ہے کہ ملک پر حکومت کس کی ہے۔ اسے جانے کیلئے مجھے کسی قسم کا کوئی شوق بھی نہیں ہے۔ صرف یہ محسوس کرتا ہوں کہ کوئی بھی بادشاہ اور قاضی ہمارے ملک میں عدل قائم نہیں کر سکا۔ ہر ایک نے نعرے لگائے، لوگوں کو کسی نہ کسی نعرے کے تحت بیوقوف بنایا۔ پسیے بُورے اور پھر نظر وں سے غائب۔ اسکے بعد کوئی دوسرا مزاحیہ جادو گر سامنے آ جاتا ہے۔

بڑے بڑے ارفع دماغ، ہمیں دلفریب نعرے دیتے رہتے ہیں۔ ڈکٹیٹر شپ اور رسول حکومت کے درمیان فرق کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ مگر عام آدمی کیلئے تو ان دونوں میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اسے تو صرف اور صرف اپنے مسائل کو حل کرنے کیلئے بروقت اقدامات اور فعلی نظام چاہیے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے، جہاں ہم عدم توجہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عام آدمی بلکہ خاص آدمی کو اس عنصر سے کوئی دلچسپی نہیں کہ سیاست کے ہیٹ سے سفید کبوتر نکلتا ہے یا چتکبرہ خرگوش یا کوئی نگین سانپ بل کھاتا ہو باہر آ جاتا ہے۔ اسے فکر ہے تو اپنی زندگی کی۔ اپنے مسائل کے برق رفتاری سے حل ہونے کی۔ یہ حد درجہ تدبر اور فکر کی منزل ہے۔ یقین فرمائیے۔ پاکستان کے ستر فیصد لوگوں کو ملک کے صدر کا نام یاد نہیں ہوگا۔ نوے فیصد لوگ ملک کے پہلے وزیر اعظم کا نام نہیں بتاسکتے۔ مگر سو فیصد لوگ یہ ضرور بتائیں گے کہ زمین بیچنے کیلئے فرد حاصل کرتے ہوئے ملکہ مال کو پسیے دینے پڑتے ہیں۔ تمام لوگ یک زبان ہو کر چلا گئے کہ تھانے میں انکی کوئی شناوری نہیں ہے۔ باسیں کروڑ لوگ بیانگ دہل کہیں گے کہ انہیں عدالتوں سے انصاف کی کوئی توقع نہیں ہے۔ بڑے مکھموں کی گزارش نہیں کر رہا۔ کشمکش، انکمٹیکس کے افسر کتنے امیر و کبیر ہیں۔ اسکا تصور شائد عام لوگ کرہی نہیں سکتے۔ مگر جن بد مقاش مکھموں سے انکور روز واسطہ پڑتا ہے، وہاں انہیں ذلت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ دھکوں کے علاوہ انکے مقدار میں کچھ بھی نہیں آتا۔

مشورہ دینے کی حیثیت تو خیر ہے ہی نہیں۔ کیونکہ نہ کوئی سنتا ہے اور نہ کوئی ادارہ یا حاکم سننا چاہتا ہے۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ملک کے روایتی مشاورتی عمل کو پس پشت ڈالتے ہوئے، وزیر اعظم، دوسرے اداروں سے پُر خلوص مکالمہ کریں۔ عدیلیہ کے سربراہ بھی ہمارے ملک کے شہری ہیں۔ ان سے مشاورت کی جائے کہ نظامِ عدل کو کس طرح بہتر کیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکو مکمل طور پر رد کر کے ایک نئے انصاف کے ادارہ کی بنیاد ڈالی جائے۔ جس میں حد درجہ قابل فخر انصاف ہوتا ہو انتہ آئے۔ انتظامیہ تو اس وقت صرف اور صرف ڈھنٹائی سے لوگوں کی جیب کا ٹنے پر لگی ہوئی ہے۔ اسکو کیسے درست کیا جائے۔ یہ تو خالصتاً وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کا کام ہے۔ مگر اس معاملے میں بھی موجودہ اور سابقہ حکمران مکمل طور پر ناکام رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جسٹس کھڑک سنگھ کا عدالتی انصاف صرف اور صرف ایک قصہ ہو۔ مگر سوچیے یہ کتنا موثر قصہ ہے۔ چھوڑ دیجئے۔ مگر منظوکی یہ بات تو بالکل درست ہے کہ یہ وہ خطہ ہے جہاں اُسترے

بنے ہیں۔

راو منظر حیات